© rasailojaraid.com

في هذا ادنى عيب لان رسول
صلى الله عليه وسلم ولى عليا
وهو ابن عمه واذا كانت تولية
القريب عيباً لنهى عنها عليه السلام
ولم يفعلها ومع كل ذلك
خالد سلام سوى بين الناس لا قريب
عنده ولا لبعيد۔ فالامر موكول
لرائى الامام الذى القيت اليه
مقاليد الامة۔

(إتمام الوفاء في سيرة الخلفاء
صفحہ ۲۰۶)

ان میں ایک یہ تھا کہ اُنہوں نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو عہدہ جات پر مقرر کیا ہے۔ حالانکہ اس عمل میں کچھ بھی عیب نہیں اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن کا والی مقرر کیا تھا حالانکہ وہ آپ کے چچا زاد بھائی تھے اگر تولیۂ قریب شرعاً عملِ ممنوع ہوتا تو نبی کریم اس عمل سے روک دیتے اور خود بھی یہ عمل نہ کرتے اور اس کے علاوہ یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ اسلام دینِ مساوات ہے اس میں امام کا نہ کوئی قریب ہے اور نہ ہی بعید۔ بلکہ سب لوگ اس کے لئے برابر ہیں اور تولیۂ عمل امامِ وقت کی رائے پر موقوف ہے جس کے سپرد امت کی تمام مصالح کے اختیارات ہیں۔

(باقی آئندہ)

خمینی موت کے دروازے پر!

★ مرتب ★
ابو میسون لنگاہ

عصرِ حاضر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سب سے بڑے دشمن "خمینی" کی عبرتناک موت ، عالمِ اسلام کا ردِ عمل اور صحابہ دشمن تحریک کی بین الاقوامی سازشیں۔

● قیمت : ۱۰ روپے

ملنے کا پتہ : دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی۔ ملتان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شہرتِ بخاری

اخذ و ترتیب : ذوالکفل بخاری

اُجالے اپنی یادوں کے

سوچتا ہوں تو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے میری پیدائش کسی ایسے جلسے یا مجلس میں ہوئی ہو گی جس میں کوئی سیاسی یا مذہبی رہنما یا عالم اپنی شعلہ بیانی سے سامعین کے دلوں میں بھٹیاں دہکا رہا ہو گا۔ اور وہ نعروں یا آہ و بکا سے زمین کا دل ہلا رہے ہوں گے۔ شاید ہی کوئی ایسی سیاسی یا مذہبی شخصیت ہو گی جس کی آواز سے میرے کان مانوس نہ ہوں۔ ہندو بھی اور مسلمان بھی۔ مگر کسی ہندو لیڈر کی ایسی تقریر میں اب تک نہ سن سکا تھا جس نے جلسے کے بعد چند منٹ کے لئے بھی اپنی گونج میرے دماغ میں چھوڑی ہے۔ ان میں گاندھی جی تھے، پنڈت جواہر لال نہرو بھی۔ اسی لئے ابا عموماً ایسے جلسوں میں شریک نہیں ہوتے تھے جن میں یا تو صرف ہندو مقرر ہوتے یا کوئی نکسال باہر مسلمان خطیب۔ یہی کیفیت میری ہو گئی تھی۔ میرے نزدیک اچھا مقرر تو گھنٹوں بولتا تھا۔ اور سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ تو فجر کی اذان سے مجبور ہو کر اکثر ذوق کے اس شعر پر بولنا بند کرتے تھے۔

مؤذن مرحبا بروقت بولا — تری آواز مکے اور مدینے

ابا کو سیاست سے بھی دلچسپی تھی مگر صرف حُسنِ خطابت تک۔ جو سیاسی یا مذہبی رہنما اچھا خطیب ہوتا تھا وہ ابا کا ہیرو ہوتا تھا۔ انہیں ان کے سیاسی نظریات اور مذہبی معتقدات سے کوئی سروکار نہ ہوتا تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر اور مولانا ظفر علی خان کے نام بڑی محبت سے لیتے تھے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے تو عاشق تھے۔ شاہ جی کی تقریر عشاء کی نماز کے بعد شروع ہوتی تھی اور فجر کی اذان کے ساتھ ختم ہوتی تھی۔ ابا رات بھر بیٹھے رہتے تھے شاہ جیؒ تلاوتِ کلام پاک بے مثال خوش الحانی سے کرتے تھے۔ ابا نہائت خشوع و خضوع سے سنتے تھے اور زار و قطار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہتے تھے۔

لاہور میں ایک روڈ پر ایک ہندو تاجر کتب تھا۔ راج پال اُس کا نام تھا۔ اُس کے نام سے یا خود اُس نے ایک کتاب لکھ کر شائع کی جس کا نام نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ "رنگیلا رسول" تھا۔ میں نے یہ کتاب دیکھی نہیں مگر سُنا ہے کہ اس میں حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم (میرے ماں باپ اور میری اولاد ان کے اسمِ گرامی پر قربان ہوں) کی ذاتِ مطہر پر شدید لچر قسم کے حملے کیے گئے۔ پورے ملک میں بے اطمینانی اور غم و غصہ کی آگ بھڑک اٹھی تھی لاہور کے مسلمانوں کو اس مکروہ کتاب کی ذمہ داری اپنے کاندھوں پر محسوس ہو رہی تھی ان پر نیندیں حرام ہو گئی تھیں عورتیں مرد بچے بوڑھے سب کے سب خود کو زندگی کے سب سے بڑے عذاب میں گھرا ہوا محسوس کر رہے تھے۔ وہ اپنے آپ کو شدید بے بسی میں پا رہے تھے ایک قیامت تھی کہ لاہور کے مسلمانوں کے سروں پر ٹوٹی ہوئی تھی مسلمانوں کی مذہبی اور سیاسی جماعتیں بڑے بڑے جلسے کر رہی تھیں جلوس نکال رہی تھیں مگر سب بے اثر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مسلمانوں کا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا کوئی حل سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ایک رات دلی دروازے کے باغ میں بہت بڑا جلسہ منعقد ہوا ——— کہا جاتا ہے سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے اپنی زندگی کی سب سے موثر تقریر کی ——— عشاء کی نماز سے فجر کی اذان تک ہزاروں کا مجمع جذباتی اعتبار سے رفتہ رفتہ اس مقام پر آ چکا تھا کہ انہیں اپنی زندگیاں حرام معلوم ہونے لگیں شاید ہی کوئی گھر ہو گا جس تک اس تقریر کا اثر نہ پہنچا ہو۔ جو جلسے میں موجود نہیں تھے وہ بھی اپنے اپنے گھروں میں انگاروں پر لوٹ رہے تھے شاہ صاحب کے الفاظ نے مسلمانوں کو بے ساختہ گریہ و بکا پر مجبور کر دیا تھا ——— ابھی دن کا ایک پہر ہی گزرا تھا کہ یہ خبر شہر کے گلی کوچوں میں گھر گھر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ بازار سریاں والا (اس محلے کا اصل نام بازار سرفروشاں ہے مگر عرفِ عام میں سریاں والا ہی مشہور ہے) کے ایک ان پڑھ نجار زادے نے اس ملعون کو کیفرِ کردار کو پہنچا دیا جس نے ملتِ اسلامیہ کو اتنی اذیت پہنچائی تھی کہ اس کی مثال اس شہر کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

یہ علم الدین تھا ——— اچانک وہ "غازی علم الدین" ہو گیا ——— شاہ صاحب کے جلسے سے اٹھ کر اس نے کسی مسجد میں فجر کی نماز پڑھی اور سیدھا ایبک روڈ پہنچا جیب سے بڑا سا چاقو نکالا اور لالہ راج پال کے دل میں ترازو کر دیا پھر بڑے سکون سے دکان سے نکلا اور لوہاری دروازے کے تھانے میں گیا پرمقدمہ درج کرا دیا اسے گرفتار کر لیا گیا بڑے بڑے وکیل مقدمہ لڑنے کو جمع ہو گئے قائدِ اعظم بمبئی سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تشریف لائے سنا ہے قائد اعظم نے اس سے جیل میں ملے اور اصرار کیا کہ صرف ایک بار عدالت میں کہہ دو کہ میں نے قتل نہیں کیا پھر میرا کام ہے اور میں دیکھوں گا کہ کیسے تمہیں سزا دی جاتی ہے" مگر اس غازی نے جو پر اسرار بندوں میں شمار ہوتا تھا صاف صاف کہہ دیا "میں اس سے انکار نہیں کروں گا —— میری زندگی کی یہی تو ایک کمائی ہے میں اسے کسی قیمت پر ضائع نہیں کروں گا۔"

غازی علم الدین "غازی علم الدین شہید" بن گیا۔ ایسا فقید المثال جنازہ لاہور کے بازاروں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ پہلا جلوس تھا جس میں ابا نے شمولیت کی تھی۔

دہلی دروازہ کے باہر ایک مسجد ہے۔ مسلمان اُسے "مسجد شہید گنج" کہتے ہیں۔ اور سکھ "گوردوارہ شہید گنج"، ۱۹۳۵ء میں اچانک سکھوں نے اسے مسمار کر کے گوردوارہ تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا —— اس خبر نے لاہور کے مسلمانوں میں ہیجان پیدا کر دیا۔ پہلے گلی محلوں میں چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں اس موضوع پر تبادلۂ خیال ہوتا رہا۔ پھر باقاعدہ احتجاجی جلسہ منعقد ہونے لگے۔۔ ہوتے رہے ہوتے رہے۔ قراردادیں منظور ہوتی رہیں۔ ادھر ایک صبح اس خبر نے لاہور میں آگ لگا دی کہ "مسجد کو شہید کر دیا گیا۔۔" مسلمان بپھرے ہوئے شیروں کی طرح گھروں سے نکل آئے۔ دکانیں بند ہو گئیں سکھوں اور مسلمانوں میں کھچاؤ پیدا ہو گیا۔ سیاسی راہنماؤں کو ایک اور موقع ہاتھ لگا تاکہ وہ اپنا کاروبار چمکا سکیں ... مولانا ظفر علی خان اس موقع پر آخری مرتبہ اپنی سیاسی زندگی کے عروج پر آ گئے۔ مولانا بڑے جوشیلے مقرر تھے۔ ان کی تقریروں نے جلتی پر تیل کا کام کیا —— ایک جمعہ کو ایک عظیم جلوس بادشاہی مسجد سے نکلا اور غیظ وغضب کی حالت میں شہید گنج کی طرف روانہ ہوا۔ دہلی دروازہ کے باہر گورا فوج صف باندھے کھڑی تھی۔ سرکلر روڈ کے چوک میں کوتوالی کے سامنے خاردار تاروں کی باڑھ لگا دی گئی تھی ہزاروں کا جلوس وہاں آ کر رک گیا۔ چند جانبازوں نے تاریں ایک طرف ہٹا دیں اور نعرے لگاتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ فوج اس صورتحال کی منتظر تھی۔ یک لخت گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ بے شمار مسلمان پلک جھپکنے میں ڈھیر ہو گئے۔ گولیاں برس رہی تھیں۔ لوگ گر رہے تھے۔ مگر عجب تھا کہ پسپا ہونے والا کوئی نہ تھا۔ لوگ لا الہ الا اللہ کہہ کہہ کر موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالی کر خود کو شہادت کا حقدار ثابت کرنے کی کوشش میں ایک دوسرے پر سبقت لے جا رہے تھے۔

اس طرح بے دھڑک جان دینے کا منظر میں نے اس کے بعد بس ایک مرتبہ اور دیکھا فرق صرف یہ تھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ اس وقت گولی چلانے والے انگریزی فوجی سپاہی تھے اس وقت مسلمان اور آزاد مملکت پاکستان کے ، سن ترپن (۱۹۵۳ء) میں جب لاہور میں قادیانیت کے خلاف تحریک چلی اور جنرل اعظم خان کا مارشل لاء نافذ ہوا تو ایک صبح انتظار حسین اور میں کافی ہاؤس چلے گئے ۔ ہم اوپر گیلری میں جا بیٹھے اور کھڑکی کے شیشوں میں سے باہر مال روڈ پر جھانکنے لگے ۔ تھوڑی سی دیر میں چالیس پچاس نوعمر لڑکے نعرے لگاتے ہوئے پہنچ گئے ۔ کافی ہاؤس کے سامنے فوج نے رکاوٹ کھڑی کی ہوئی تھی ۔ یہ نوجوان وہاں پہنچے تو ان کے جوش و خروش میں کئی ہزار گنا اضافہ ہو گیا ۔ فوج نے متنبہ کیا ۔ جب کوئی اثر نہ ہوا اور جلوس فوج کے بالکل قریب آ گیا ۔ گولی چلانے کا حکم دیا گیا اور پلک جھپکتے میں نصف وہیں ڈھیر ہو گئے ۔ ایک لڑکا اگرچہ سب سے آگے تھا مگر اسے گولی نہ لگی ۔ وہ سخت بے قرار تھا ۔ اور پوری قوت سے کلمہ پڑھ پڑھ کر سینہ نکالتے رکاوٹ کے اس طرف آ گیا ۔ ایک گولی نے اسے بھی ڈھیر کر دیا ۔۔۔

شہید گنج کا واقعہ چند دن جاری رہا ۔ شہر میں خاموشی چھا گئی ۔ پھر جیسا کہ مسلمانوں کی تاریخ ہے آپس میں لڑ پڑے اور ایک دوسرے کو سکھوں اور انگریزوں کے ہاتھوں بکنے کا طعنہ دینے لگے ۔ جوش و خروش ٹھنڈا ہوتا چلا گیا ۔ اور یوں رفتہ رفتہ یہ خونیں تحریک دم توڑ گئی ۔

یہ مسجد اب بھی قائم ہے مگر شہید گنج کی مسجد کی خاطر جو جوان خون بے دریغ بہایا گیا میں اس کا عینی گواہ ہوں اور پورے اعتماد سے کہہ سکتا ہوں کہ برصغیر کی تحریکوں میں ایسا حادثہ کم ہی ہوا ہو گا المیہ اس کا یہ ہے کہ اس کا نتیجہ بس اتنا نکلا کہ سکھ اس جگہ گوردوارہ تعمیر نہ کر سکے صرف چار دیواری کھڑی کی گئی جو اب بھی ہے فرق ہے تو اتنا کہ ۱۴ اگست ۴۷ء تک پولیس کا سکھ سپاہی پہرا دیتا تھا اب مسلمان سپاہی اس کے دروازے پر پاسبانی کرتا ہے ـــ بعض اوقات سیاسی مصلحتیں بھی کیسا کیسا دردناک منظر دکھاتی ہیں ۔

سنا ہے لاہور میں مسجد کا ایک حادثہ اس سے پہلے بھی ہوا تھا وہی مسجد جو ایک رات میں تعمیر ہوئی تھی اور جس پر اقبال نے یہ شعر کہا تھا

ؔ مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا

اقبالؒ ـــ جس کے نام کے ساتھ اہل لاہور کے دل دھڑکتے تھے اور میرا دل کہتا ہے بالکل یہی صورت حال پورے برصغیر کے مسلمانوں کی ہو گی قوم پرست مسلمانوں میں شاید ایک مجلس احرار اسلام تھی جو نظریاتی اختلاف رکھنے کے باوجود اقبال کی مخالفت نہ کرتی تھی اور یہ بات میں اس خیال

© rasailojaraid.com